بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

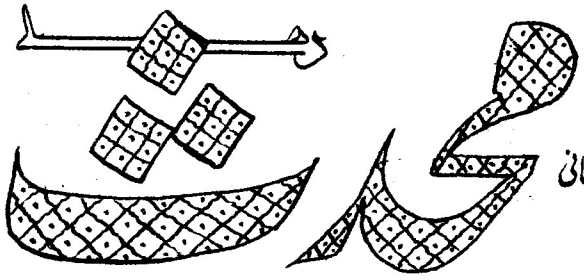

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

جلد ۱۰ | بابت ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۲ء | نمبر ۳

موجودہ "روشن خیال" مسلمان

آج مسلمانوں کا وہ طبقہ اپنے آپ کو "روشن خیال" سمجھتا ہے، جو نہ صرف انگریزی تعلیم، بلکہ انگریزی معاشرت انگریزی چال ڈھال، انگریزی آداب واطوار، اخلاق وعادات، پہننے اوڑھنے، چلنے پھرنے، بولنے چالنے، کھانے پینے، لین، دین، شادی بیاہ، غرض زندگی کے ہر شعبے میں مغربیت کا دلدادہ اور یورپ کا شیدائی اور اندھا مقلد ہے۔ اس کی شکست خوردہ ذہنیت اس قدر ماؤف اور دماغی بصیرت اس درجہ ناکارہ ہو چکی ہے کہ اب وہ جو کچھ سوچتا ہے، یورپ کے دماغ سے۔ جو کچھ دیکھتا ہے یورپ کی آنکھوں سے۔ جو کچھ سمجھتا ہے یورپ کی عقل سے۔ انگریزی حکومت کے شروع زمانے میں جب فارسی اور اردو کے بجائے ہندوستان میں انگریزی تعلیم کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا تو بعض انگریزوں نے اس کی مخالفت کی، لیکن لارڈ میکالے نے اس کی پرزور حمایت کرتے ہوئے جو مقصد بتایا تھا آج وہ لفظ بلفظ پورا ہو کر آنکھوں کے سامنے آگیا ہے اسلئے بے ساختہ لارڈ موصوف کی دور اندیشی کی داد دینی پڑتی ہے۔ انھوں نے کہا:۔

"ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروروں رعایا کے درمیان مترجم ہو۔ اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو"

(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص۱۴۳)

شاید لارڈ میکالے کی روح یہ دیکھکر خوش ہورہی ہوگی کہ ان کی بنائی ہوئی جماعت ان کے اور ان کی کروروں رعایا کے درمیان ان کی ترجمانی کا حق کس خوبی کے ساتھ ادا کررہی ہے۔ اور رنگ وخون کے اعتبار سے ہندوستانی، بلکہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی فکر ونظر، ذوق وعمل، طرز زندگی وآداب معاشرت کے اعتبار سے کس طرح انگریزیت کا "دم چھلا" بنی ہوئی ہے۔

طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ نام نہاد روشن خیال حکومت کی کرسیاں، اور پبلک قیادت کی سربلندیاں تو مسلمانوں کے ووٹوں اور خدمت اسلام کے نام پر حاصل کرتے ہیں۔ لیکن خود اسلام سے بیزار اور اس کے احکام کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ قرآن مجید کی صریح آیات وہدایات کی دیدہ دلیری کے ساتھ کھلی ہوئی مخالفت کرتے ہیں مگر خود کو نہ صرف مسلمان بلکہ اعلیٰ طبقہ کا مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور یہ مرض صرف ان نوجوانوں تک ہی محدود نہیں ہے جو اپنی ناواقفیت اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے انگریزی کے چند حروف پڑھتے ہی ڈاڑھی مونچھ کا صفایا کرکے "خنثیٰ فیشن" اختیار کرلیتے ہیں اور مرد ہوتے ہوئے بھی قدرت کی منشا کے خلاف نازک اندام "لیڈیز" بننے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ ملک کی ممتاز شخصیتوں، نامور لیڈروں اور بڑے بڑے قائد اعظموں کو بھی دیکھئے تو اس حمام میں ننگے نظر آئیں گے۔ آج کون مغرب زدہ انگریزی خواں ہے جو پردے کی مخالفت نہ کررہا ہو۔ اپنی بیویوں، نوجوان بیٹیوں، اور بہنوں کو سنیما اور تھیٹر کی بیحیائیوں اور فحاشیوں کی سیر نہ کراتا ہو؟

اسی "روشن خیال" طبقے کے گھرانوں کی عورتیں یا تو بے حجاب ہوکر زرق وبرق ساریوں میں بازاروں اور پارکوں میں اپنے ذلیل حسن کی نمائش کرتی پھرتی ہیں۔ یا ایسے ایسے "نیو فیشن" نقش ونگار والے چمکیلے کپڑوں کے برقعے زیب تن کرکے نکلتی ہیں کہ جو بجائے پردے کا کام دینے کے ایک خوشنما لباس بنکر رہ گئے ہیں۔

میں خوب جانتا ہوں کہ میری یہ "آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز" ہے مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میری ان باتوں کو ایک "تنگ خیال" "دقیانوسی" اور "زمانے کے حالات سے ناواقف ملا" کی باتیں کہکر درخور اعتنا نہیں سمجھا جائیگا۔ مجھے موجودہ دور کے "روشن خیال" حضرات کے اس نفسیاتی تاثر کا خوب پتہ ہے کہ وہ ان "واعظانہ باتوں" کو سنکر ایک خاص انداز میں منہ بسور لیتے ہیں ـــــ لیکن باایں ہمہ موجودہ مسلمانوں کی بدکرداریوں سے اسلام کی جو رسوائیاں ہورہی ہیں انھیں دیکھکر دل پر ایک چوٹ لگتی ہے۔ اور گوارا نہیں ہوتا کہ ان کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرلیا جائے۔

یہ زخم اس وقت اس لئے تازہ ہوگیا ہے کہ ابھی گذشتہ مئی کے مہینے میں صوبہ سرحد کے سابق وزیر اعظم کی صاحبزادی نے اپنی شادی کے لئے جب ایک غیر مسلم نوجوان کو پسند کیا تو سرحد کے مسلمانوں نے خصوصاً اور دوسرے مسلمانوں نے عموماً اس کے خلاف احتجاج کیا اور لڑکی کے والد کو مخاطب کیا کہ وہ اس شادی میں مداخلت کریں اور اپنے رسوخ سے کام لیکر اس ناجائز رشتے کو روک دیں ـــــ لیکن سابق وزیر اعظم نے مداخلت کرنے کے بجائے اس کی

تائید میں اخبارات میں ایک بیان شائع کرایا جس میں صاف لکھا کہ :-

"ہر شخص میری زندگی اور میرے اصول سے واقف ہے۔ میں ہمیشہ انسانی حقوق کی مکمل آزادی کا پرچار کرتا رہا ہوں۔ میری لڑکی نے اپنی مرضی سے اپنی زندگی کا رفیق چنا ہے۔ وہ میری دعا کی حقدار ہے، میری طرف سے کوئی مداخلت خارج از بحث ہے کیونکہ ایسا کرنا میرے اصول کی خلاف ورزی ہوگا میں اس شادی کی ساری ذمہ داری اپنے سر لیتا ہوں۔" (مسلمان لاہور مورخہ ۱۹ رمئی ۱۹۴۲ء)

آخر یہ شادی مسلمانوں کے علی الرغم ہو کر رہی اور اس طرح ایک "روشن خیال مسلمان" کی لڑکی ایک کافر کی زینت آغوش بن گئی۔ مجھے تعجب نہ تو سرحد کی اس خاتون کی دلیری پر ہے اور نہ اسکے باپ کی اس جہالت پر اسلئے کہ یہ تو لازمی نتیجہ ہے اس معاشرت کا جس کو لارڈ میکالے کے سپوتوں نے اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنالیا ہے بلکہ حیرت ہے تو ان مسلمانوں پر جنھوں نے اس واقعہ پر تو شور و غل کا ایک طوفان سر پر اٹھالیا۔ لیکن آج سے تقریباً دو سال پہلے جب بمبئی میں مسٹر جناح کی چشم و چراغ صاحبزادی نے بھی یہی حرکت کی تھی۔ تو کم از کم مجھے علم نہیں کہ کسی نے مخالفانہ آواز اٹھائی ہو۔ اور نو کروڑ مسلمانوں کے "قائد اعظم" کو کسی نے اس حرکت پر ٹوکا ہو۔ حالانکہ اگر اسی وقت کوئی موثر قدم اٹھایا گیا ہوتا تو شاید آئندہ کے لئے اس قسم کی جرآتوں کا سد باب ہو جاتا۔

کس قدر الم انگیز ہے یہ حقیقت کہ آج مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی رہنمائی و لیڈریت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہے جو اسلامی احکام کی الف۔ بے سے بھی ناواقف ہیں۔ قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے۔ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (بقرہ ع ۲۷) کسی مشرکہ سے تاوقتیکہ وہ مسلمان نہ ہوجائے نکاح مت کرو۔ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا (〃) اور نہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی مشرک سے کرو تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لے آئے۔ . .

اٹھائیسویں پارہ کی سورہ ممتحنہ میں فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اگر غیر مسلم عورتیں ایمان قبول کرلیں اور تمہارے پاس ہجرت کرکے آئیں تو انھیں جانچ لو کہ سچائی کے ساتھ اسلام قبول کیا ہے یا کسی فریب کی غرض سے اسلام ظاہر کررہی ہیں۔ اگر تمہیں اطمینان ہوجائے کہ درحقیقت یہ سچی مومنہ ہے اور اس نے صدق دل سے ایمان قبول کیا ہے تو اب ان کو کافروں کے پاس نہ جانے دو۔ اب یہ کافر کی بیوی بن کر نہیں رہ سکتی اس لئے کہ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ۔ نہ یہ مومن عورتیں ان کافر مردوں کے لئے حلال ہیں اور نہ یہ کافر مرد ان مومن عورتوں کے لئے ——— قرآن کریم کی ان صریح آیات کو سامنے رکھکر غیرت ایمانی کے ساتھ غور کرو کہ جب شریعت اسلامی کی رو سے کسی مسلمہ کا کسی غیر مسلم کی زوجیت میں جانا حرام ہے۔ تو پھر اس قوم کا کیا حشر ہوگا جس کے ممتاز لیڈر کھلم کھلا اس کا ارتکاب کررہے ہوں سچ فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا یعنی لوگ جاہلوں کو اپنا سردار اور لیڈر بنالیں گے پس وہ اپنی جہالت کی وجہ سے غلط باتیں کہیں گے اسلئے خود بھی

ممکن ہے میری یہ تلخ نوائی آپ کو گراں گذرے اور آپ فرمائیں کہ اولاد کی نالائقی کا الزام والدین پر رکھنا انصاف نہیں لیکن میں عرض کروں گا کہ بے شک یہ بجا ارشاد ہے، مگر اسی وقت تک جب تک والدین اس میں شریک نہ ہوں۔ اور وہ اولاد کی ناشائستہ حرکات سے بیزاری کا اظہار کردیں۔ اور اگر ان کی رضامندی اور مشارکت کے مطابق سب کچھ ہو رہا ہو۔ بلکہ کھلے لفظوں میں وہ کہدیں کہ "میری لڑکی نے اپنی مرضی سے اپنی زندگی کا رفیق چنا ہے، وہ میری دعا کی حق دار ہے" تو پھر احکام اسلام کی صریح نافرمانی کے الزام سے وہ کیونکر بری ہو سکتے ہیں۔

صوبہ سرحد کے سابق کانگرسی وزیر اعظم کا مذکورہ بالا بیان دوبارہ پڑھئے۔ اور پھر موجودہ دور کے کسی "روشن خیال" جنٹلمین سے گفتگو کیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ "این خانہ ہمہ آفتاب است" یعنی وہ یقیناً لفظ بہ لفظ اس کی تائید کرینگے اور فرمائیں گے کہ بے شک لڑکیوں کو اپنی زندگی کا رفیق تلاش کرنے میں آزادی ہونی چاہئے۔ جب وہ کسی شخص کو دیکھ بھال کر، اس کی طبیعت کا انداز، اس کے مزاج کا رجحان سمجھ بوجھ کر اس سے نکاح کریں گی تو اس صورت میں دونوں کی زندگی سکھ اور چین کے ساتھ گذریگی اور کبھی ایک دوسرے کے تعلقات میں بدمزگی پیدا نہیں ہوگی ——— لیکن واضح رہے کہ میاں بیوی کے تعلقات میں خوش گواری پیدا کرنے کا یہ علاج جو یورپ کی اندھی تقلید کا نتیجہ ہے خود یورپ کے لئے مصیبت بن گیا ہے۔ جہاں شادیاں "بے دیکھے" اور "بے پرکھے" نہیں بلکہ خوب ڈھونک بجا کر ہوتی ہیں۔ وہاں کے زوجین کے تعلقات کی "خوش گواری" اور "حسن معاشرت" کا حال لارڈ اسنل کے لفظوں میں سنئے جو انھوں نے ہاؤس آف لارڈز میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا تھا:

"اہل وعیال کا نفقہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے انگلستان میں ہر سال اوسطاً دو لاکھ افراد ماخوذ ہو کر عدالت میں آتے ہیں اور ۷ ہزار جیل بھیجے جاتے ہیں" (معارف نمبر ۲ جلد ۳۴)

اولاً تو یورپ میں باقاعدہ شادی پر آزادانہ میل جول ہی کو ترجیح دی جاتی ہے چنانچہ "فرانس میں صرف سات آٹھ ہزار کا اوسطان مردوں اور عورتوں کا ہے جو ازدواج کے رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں" (ترجمان القرآن ج ۱۵ عدد ۶)

اور ثانیاً اگر کافی تجربہ وذاتی واقفیت کے بعد کسی سے نکاح کا رشتہ ہو بھی گیا تو وہ اس قدر بودا ہو کر رہ گیا ہے کہ بات بات میں ٹوٹ جاتا ہے۔ بسا اوقات اس بیچارے کی عمر چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ فرانس کے ایک معزز شخص نے جو کئی مرتبہ وزیر رہ چکا ہے، اپنی شادی کے صرف پانچ گھنٹے بعد اپنی بیوی سے طلاق حاصل کرلی۔ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں طلاق کا موجب بن جاتی ہیں جنھیں سنکر ہنسی آتی ہے۔ مثلاً فریقین میں سے کسی ایک کا سوتے میں خراٹے لینا۔ یا کتے کو پسند نہ کرنا۔ سین کی عدالت دیوانی نے ایک مرتبہ صرف ایک تاریخ میں ۲۹۴ نکاح فسخ کئے۔ ۱۸۴۴ء میں جب طلاق کا نیا قانون پاس ہوا تھا تو چار ہزار طلاق واقع ہوئے تھے۔ ۱۹۰۰ء میں یہ تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچی اور ۱۹۱۳ء میں ۱۶ ہزار اور ۱۹۳۱ء میں ۲۱ ہزار۔ (ترجمان القرآن مذکور)

دیکھا آپ نے؟ یہ حال ہے ان ملکوں کے ازدواجی تعلقات اور حسن معاشرت کا، جن کی ریس میں ہمارے "روشن خیال" حضرات لوٹ پوٹ ہوئے جارہے ہیں۔

میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں ہندوستان کی اس غلط رسم کی تائید کروں کہ اولاد کا رشتہ کرتے ہوئے ان کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیجاتی۔ اور ان کی جائز مداخلت کو بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اگر مغرب نے افراط کی راہ اختیار کی تو مشرق نے تفریط سے کام لیا۔ یہ دونوں صورتیں اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ نہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ اولاد اپنے رفیق کے انتخاب میں اتنی آزاد ہوجائے کہ چاہے وہ کسی فاسق وفاجر کو منتخب کرے یا کسی صالح اور دیندار کو، اس کا رفیق حیات خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، وہ جس سے چاہے وابستہ ہوجائے۔ والدین کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں اور نہ اسلام اس کا روادار ہے کہ والدین اور اولیاء ہی مختار کل ہیں وہ جہاں چاہیں اور جس سے چاہیں ان کا پلو باندھ دیں۔ چاہے اولاد اس پر راضی ہو یا نہ ـــــ بلکہ اس نے ان دونوں کے مابین ایک اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ اس نے والدین اور دیگر اولیاء کا حق بھی تسلیم کیا اور فرمایا لا نکاح الا بولی (حدیث) یعنی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں۔ اس نے اولاد کو بھی اس معاملہ دخل دینے کی اجازت دی۔ اور اولیاء کو ہدایت کردی کہ بچوں کی شادی کے معاملہ میں خود ان سے بھی مشورہ کرلیا کرو۔ چنانچہ لڑکوں اور ثیبہ عورتوں کے علاوہ، کنواری لڑکیوں تک کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ البکر یستاذنھا ابوھا فی نفسھا واذنھا صماتھا (مسلم شریف ص۴۵۵ ج۱) یعنی کنواری لڑکی کے باپ کو چاہئے کہ اس کے نکاح کے متعلق اس سے (بھی) اجازت لے (اگر وہ اپنی فطری حیا کی وجہ سے کھلکر کچھ نہ کہہ سکے اور رضامندانہ خاموشی اختیار کرلے تو) اس کی یہ خاموشی ہی اجازت ہے۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے دربار نبوی میں آکر شکایت کی کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف ایک شخص سے کردیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیدیا کہ اگر وہ چاہے (تو اپنے باپ کے پڑھائے ہوئے اس نکاح کو جو اس کی مرضی کے بغیر ہوا ہے) فسخ کرسکتی ہے۔ اس نے کہا کہ اب میں اس نکاح کو منظور کرلیتی ہوں۔ مجھے تو صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ ہم عورتوں کو بھی اس معاملہ میں دخل دینے کا کچھ حق ہے یا نہیں۔ (نسائی وغیرہ)۔

کیا اسلام کی ان تعلیمات کے ہوتے ہوئے "انسانی حقوق کی آزادی" کے لئے کسی مزید مطالبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ اگر اسلام کی قائم کردہ حدود، انسانی حقوق کی آزادی کے لئے آپ ناکافی سمجھتے ہیں۔ اور دانایان فرنگ کی بتائی ہوئی راہ اور انھیں کا طریق عمل آپ کے نزدیک پسندیدہ ہے تو آئیے ذرا خلوت خانہ یورپ میں جھانک کر دیکھیں کہ "حقوق کی آزادی" کا دامن وہاں کتنا وسیع ہے اور اس آزادی نے وہاں کیا کیا گل کھلائے ہیں۔

یورپ میں انسانی حقوق کی آزادی کا نظریہ اور اس کے نتائج

ہمارا "روشن خیال" طبقہ یورپ کی جس پیش کردہ آزادی پر ریجھا ہوا ہے۔ اس کا نقشہ اتنا گندا اور گھناؤنا ہے کہ ہندوستان کا ایک شریف انسان تو اس کے تصور سے بھی کانپ اٹھے گا۔ میں اس کے ذکر سے بھی اپنے قلم کو ملوث کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن مشکل یہ ہے کہ ؎ بات بنتی نہیں مینا و ساغر کے بغیر۔

انسانی حقوق کی آزادی کی مختلف شاخیں ہیں اور ہر ایک کے متعلق بحث و نظر کی کافی گنجائش ہے لیکن میں اس وقت صرف اس حصے پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو مرد و عورت کے صنفی تعلقات سے متعلق ہیں۔

یورپ میں اب یہ نظریہ عام ہوتا جا رہا ہے کہ مرد و عورت کو صنفی تعلقات کے لئے نکاح کا پابند کرنا عقل اور فطرت کے خلاف ہے۔ بلکہ دونوں کو آزادی ہونی چاہئے کہ وہ جس سے چاہیں محبت کریں اور آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوں۔ ؎

چنانچہ جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا لیڈر ببیل نہایت بے تکلفانہ انداز میں لکھتا ہے:۔

"عورت اور مرد آخر حیوان ہی تو ہیں۔ کیا حیوانات کے جوڑوں میں نکاح اور وہ بھی دائمی نکاح کا کوئی سوال پیدا ہو سکتا ہے؟" (ص ۴۴۳)

ڈاکٹر ڈریسڈیل لکھتا ہے:۔

"ہماری تمام خواہشات کی طرح محبت بھی ایک تغیر پذیر چیز ہے۔ اس کو ایک ہی طریقہ کے ساتھ مخصوص کر دینا قوانین فطرت میں ترمیم کرنا ہے۔ . . . . . . آزاد تعلق ایک برتر اخلاق کا مظہر ہے اس لئے کہ وہ قوانین فطرت سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔" (〃)

فرانس کا مشہور نومالتھوسی لیڈر پول روبین لکھتا ہے:۔

"پچھلے ۲۵ سال میں ہم کو اتنی کامیابی تو ہو چکی ہے کہ حرامی بچہ کو قریب قریب حلالی بچہ کا ہم رتبہ کر دیا گیا ہے۔ اب صرف اتنی کسر باقی ہے کہ صرف پہلی ہی قسم کے بچے پیدا ہوا کریں تاکہ تقابل کا سوال ہی باقی نہ رہے۔" (ص ۴۴۴)

نکاح کی پابندی سے بیزاری اور آزاد محبت کا مطالبہ صرف مردوں کی طرف سے نہیں بلکہ عورتیں ان سے بھی ایک قدم آگے ہیں چنانچہ فرانس کی ایک لیڈی صاحبہ فرماتی ہیں۔

؎ میں نے اس سلسلہ میں جتنے اقتباسات پیش کئے ہیں وہ سب رسالہ "ترجمان القرآن" لاہور کی جلد ۱۵ عدد ۶ سے ماخوذ ہیں۔ اصل کتابوں کے حوالے رسالہ مذکور میں دیکھ لئے جائیں۔

"میری رائے میں نکاح تمام اجتماعی طریقوں میں وہ انتہائی وحشیانہ طریقہ ہے جس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آخر کار یہ طریقہ موقوف ہوجائے گا اگر نسل انسانی نے انصاف اور عقل کی طرف کوئی واقعی ترقی کی۔ پھر اس کی جگہ ایک دوسرا طریقہ لیگا، جو نکاح سے کم مقدس نہ ہوگا مگر اس سے زیادہ انسانی طریقہ ہوگا۔ اس وقت انسانی نسل ایسے مردوں اور ایسی عورتوں سے چلے گی جو کبھی ایک دوسرے کی آزادی پر کوئی پابندی عائد نہ کریں گے۔" (ص۴۳۶)

یہی صاحبہ فرماتی ہیں:۔

"جس قدر زیادہ مجھے دنیا کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے میں محسوس کرتی جاتی ہوں کہ محبت کے متعلق ہمارے نوجوانوں کے خیالات کتنے غلط ہیں۔ یہ خیال غلط ہے کہ محبت ایک ہی سے ہونی چاہئے اور اس کا دل پر پورا قبضہ ہونا چاہئے اور وہ ہمیشہ کیلئے ہونی چاہئے۔" (ص۴۳۵)

جب دونوں طرف سے نکاح کی مذمت ہوئی اور آزاد محبت کا چرچا ہوا تو پھر زنا کی گرم بازاری کا ہونا لازمی تھا۔ فحش کاری کے مخصوص اڈوں کے علاوہ ہوٹلوں۔ چائے خانوں۔ اور رقص خانوں میں علی الاعلان قحبہ گری کا کاروبار جاری ہوا۔ اور بعض اوقات بہیمیت انتہائی ظلم اور قساوت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

۱۹۱۲ء میں ایک مرتبہ مشرقی فرانس کے ایک میر بلدیہ کو مداخلت کرکے ایک ایسی لڑکی کی جان بخشی کرانی پڑی تھی جس کو دن بھر میں ۴۷ گاہکوں سے پالا پڑ چکا تھا اور ابھی مزید گاہک تیار کھڑے تھے۔ (ص۴۷)

اس اخلاقی زوال کی انتہا یہ ہے کہ:۔

"فرانس کے بعض اضلاع میں بڑے شہروں کی گھنی آبادی رکھنے والے حصوں میں قریب ترین نسبی رشتہ داروں کے درمیان، حتیٰ کہ باپ اور بیٹی اور بھائی اور بہن تک کے درمیان صنفی تعلقات کا پایا جانا اب کوئی شاذ و نادر واقعہ نہیں رہا ہے۔" (ص۴۵۴)

جب مرد و عورت انسانیت کا جامہ اتار کر پوری بہیمیت پر آمادہ ہوجائیں۔ اور جلوت و خلوت میں محض فحاشی اور بے حیائی ہی کو اپنا مشغلہ بنالیں تو پھر ایسے ہیجان انگیز ماحول میں جو بچے پرورش پائیں گے یقیناً ان کے اخلاق پر اس کا اثر پڑے گا۔ چنانچہ یورپ نے اس کا خمیازہ بھگتا۔ ایک امریکن مصنف ڈاکٹر ایڈتھ ہوکر کا بیان ہے کہ:۔

"ایک سات برس کی چھوٹی سی لڑکی جو ایک نہایت شائستہ خاندان کی چشم و چراغ تھی خود اپنے بھائی اور اس کے چند دوستوں سے ملوث ہوئی۔ ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ پانچ

بچوں کا ایک گروہ جو دو لڑکیوں اور تین لڑکوں پر مشتمل تھا اور جن کے گھر پاس پاس واقع تھے باہم شہوانی تعلقات میں وابستہ پائے گئے۔ اور انھوں نے دوسرے ہم سن بچوں کو بھی اس کی ترغیب دی۔ ان میں سب سے بڑے بچے کی عمر صرف دس سال تھی۔ ایک اور واقعہ ایک ۹ سال کی بچی کا ہے جو بظاہر بہت حفاظت سے رکھی جاتی تھی۔ اس بچی کو متعدد "عشاق" کی منظور نظر ہونے کا فخر حاصل تھا۔" (ص ۴۷)

بالٹیمور کے ایک ڈاکٹر کی رپورٹ ہے کہ :-

ایک سال کے اندر اس کے شہر میں ایک ہزار سے زیادہ ایسے مقدمات پیش ہوئے جن میں بارہ برس سے کم عمر کی لڑکیوں کے ساتھ مباشرت کی گئی تھی۔ (ص)

جب یہ بچے اسکول اور کالج میں پہنچتے ہیں اور وہاں عشقیہ افسانے، مصور رسالے، ادبی لٹریچر کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ صنفی مسائل پر آزادی اور بے باکی سے مباحثے کرتے ہیں تو پھر ان ہیجانی جذبات کو اور بھی ہوا لگتی ہے اور وہ خوب بھڑک اٹھتے ہیں۔ چنانچہ امریکن مصنف لینڈ کا اندازہ ہے کہ ہائی اسکول کی کم از کم ۴۵ فیصدی لڑکیاں مدرسہ چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکتی ہیں اور بعد کے تعلیمی مدارج میں اوسط اس سے بھی بہت زیادہ ہے۔" (ص ۴۷)

اس سلسلے کی ایک اور شرمناک کڑی

انسانی حقوق کی آزادی کا وہ نقشہ جو یورپ نے پیش کیا ہے اور اس کا دھندلا سا نقش جو سطور بالا میں اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا تعلق تو مرد و عورت کے باہمی میل جول سے تھا۔ لیکن آئیے! اس سلسلے کی ایک اور شرمناک کڑی آپ کو بتاؤں جہاں انسانی شرافت و عظمت (بشرطیکہ یہ کوئی چیز ہو) ہمیشہ کے لئے دفن ہو جاتی ہے اور وہ خود اپنے ہم جنسوں (مردوں) سے ملوث ہونے کی ناپاک علت ہے۔ چھپ چھپا کر جو کچھ ہو رہا ہے اُسے تو جانے دیجئے۔ حیرت تو یہ ہے کہ یورپ کا ایک ممتاز ملک اس خباثت کو قانوناً بھی جائز قرار دے رہا ہے۔ چنانچہ جرمنی میں نازی دور سے پہلے کا واقعہ ہے کہ :-

"ڈاکٹر ماگنوس ہرشفیلڈ (Magnus Hirschfeld) نے عمل قوم لوط کے حق میں چھ سال تک زبردست پروپیگنڈا کیا (اور جب رائے عامہ اپنے موافق ہو گئی تو اس کو جرمن پارلیمنٹ میں پیش کر دیا۔ پارلیمنٹ نے کثرت رائے سے طے کر دیا کہ اب یہ فعل جرم نہیں ہے بشرطیکہ طرفین کی رضامندی سے اس کا ارتکاب کیا جائے اور معمول کے نابالغ ہونے کی صورت میں اس کا ولی ایجاب و قبول کی رسم ادا کر دے۔" (ص ۴۴۹)

غور کیجئے کہ یہ کسی معمولی شخص کی رائے نہیں ہے بلکہ جرمن پارلیمنٹ اور جرمنی کے اس ڈاکٹر کا فیصلہ ہے جو دنیا کی مجلسِ اصلاح صنفی کا صدر رہ چکا ہے۔ اور وہ بھی وحشی نازیوں اور ظالم ہٹلر کے دور کی بات نہیں بلکہ اس زمانے کا فیصلہ ہے جب کہ جرمن ڈاکٹروں اور جرمنی محققین کی رائیں "روشن خیال" طبقے میں وحی آسمانی کا درجہ رکھتی تھیں۔ ذرا تصور کیجئے اس پروپیگنڈے کا جو اس ملعون فعل کی تائید میں چھ سال تک اس ڈاکٹر نے کیا ہوگا۔ نہ معلوم سائنس کے نظریوں اور ڈاکٹری اصولوں کے ماتحت اس کے کتنے فوائد اور کتنی خوبیاں اس نے دکھائی ہوں گی۔ بھلا جن دلائل و شواہد کے سامنے جرمن پارلیمنٹ جھک جائے اور ان کو صحیح ماننے پر مجبور ہو جائے۔ کیا وہ دلائل معمولی اور محض سطحی ہوں گے؟

آخری سوال پس کیا فرماتے ہیں مقلدین تہذیب یورپ کہ یہ تمام آزادیاں آپ کے نزدیک بھی حق اور درست ہیں؟ اگر نہیں تو بس اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ انسانی حقوق کی آزادی کی حدود کا تعین کون کرے؟ کیا انسانوں کی رائے پر چھوڑ دیا جائے، یا خدائے علیم و حکیم کے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے۔ اگر آپ کو پہلی صورت منظور ہے تو پھر مذکورہ بالا اقتباسات کو پیش نظر رکھکر تصور کیجئے کہ دنیا کا نقشہ کیا ہوگا۔ بیٹی باپ کے ساتھ، بہن بھائی کے ساتھ۔ بلکہ باپ بیٹے کے ساتھ بھائی بھائی کے ساتھ ملوث ہوگا۔ کیا یہ لعنت آپ کو گوارا ہے؟ اگر نہیں تو پھر دوسری صورت منظور کیجئے۔ سرکشی اور نافرمانی سے باز آئیے اور سچائی و صدق دلی کے ساتھ پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی لائی ہوئی اس کتاب پر ایمان لائیے جس کے متعلق ارشاد ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ الآیہ (بنی اسرائیل ۹۶)

یعنی "قرآن میں ہم ایسی باتیں بتاتے ہیں جو ایمان اور اعتقاد کے ساتھ عمل کرنیوالوں کو ہر قسم کی روحانی اور عملی خرابیوں اور بیماریوں سے شفا اور رحمت بخشنے والی ہیں"

یہی وہ نسخہ کیمیا اور داروئے شفا ہے جو فلاح دارین کا حامل ہے۔ یہی وہ نقطۂ اعتدال ہے جو انسانی حقوق کی آزادی کی وہ تمام وسعتیں اپنے اندر سمیٹے ہوئے، جو فطرتِ انسانی کا مقتضیٰ اور شرفِ انسانی کا محور ہیں۔ اس سے سرمو انحراف کرنے والا غلاظت کے اُسی گڑھے میں جا کر گرے گا، جس میں آج یورپ لت پت ہے۔ اور اس کے تعفن سے خود اس کا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ گو ہماری جہالت اور نادانی سے خود ہندوستان میں بھی اس کے جراثیم سرعت کے ساتھ پھیلتے جا رہے ہیں۔ لیکن وہ دن دور نہیں جب ہمیں اپنی اس حماقت کا احساس ہوگا اور پھر قرآن آواز بلند پکار کر کہے گا ؎

میرے پہلو سے گیا پالا ستمگر سے پڑا ۔۔۔ مل گئی اے دل تجھے کفرانِ نعمت کی سزا